مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب؟

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات
جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس مضمونچہ کی حیثیت جواب کی نہیں بلکہ استفہامی علامت ہی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ لکھنے والا کچھ پوچھنا چاہتا ہے، گویا مفتی نہیں بلکہ اہل علم کے سامنے مستفتی بن کر حاضر ہو رہا ہے۔ دوسری بات اسی سلسلہ میں کہنے کی یہ ہے کہ میری بحث یا سوال کا دائرہ صرف دینی اسباب تک محدود ہے، دنیوی اسباب کا قصہ ان ہی لوگوں کے غور و فکر کے سپرد کرنا مناسب ہے جو دنیا اور اس کے معاملات کا تجربہ رکھتے ہیں اور یوں بھی یہ مسئلہ غالباً چنداں دشوار بھی نہیں، بقول سعدیؒ جب "مسکین خر" اپنی ساری بدتمیزیوں کے باوجود بھی بار ہمی برد" کی ضرورت کو ثابت کر کے اشرف المخلوقات کے عزیزوں میں شریک ہو سکتا ہے تو انسانیت کی ایک ہی برادری والوں میں عزیز بن جانا اور عزت کی زندگی

لہ مراد اشارہ گلستان کے مشہور مکتبی شعر کی طرف ہے یعنی ؎ مسکیں خر اگرچہ بے تمیز ست چوں بار ہمی برد عزیز ست ؛ کمالات پیدا کر کے قوموں نے ہمیشہ اپنی قیمت ان لوگوں سے بہر حال وصول کی ہے جو کسی خاص جذبہ کے تحت انسانی حقوق سے ان کو محروم کرنا چاہتے تھے بنی امیہ اور بنی عباس تک کے عہد میں عیسائیوں اور یہودیوں اور مجوسیوں نے ان حکومتوں کو مجبور کیا کہ اپنی صحت اپنے مالیات اپنے زندگی کا معیار کو ان قوموں کے حوالہ کریں۔ تاریخ کے صفحات ان کی داستان سے معمور ہیں ۱۲

کا حاصل کر لینا ایک انسان کے لئے کیا دشوار ہو سکتا ہے؟ آخر جینے کے جس "گر" سے گدھے بھی واقف ہیں، اگر باوجود آدمی ہونے کے کسی قوم کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی تو اس کے لئے نہ تقریریں مفید ہو سکتی ہیں اور نہ تحریریں۔ ان کے لئے تو ع۔ خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر "جی چاہتا ہے کہ اکبر مرحوم کے اسی مصرعہ کو دہرا کر چپ ہو جائے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَآ تُسْمِعُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

ان پھولوں کو چھوڑ لینے کے بعد اب آئیے اور سنئے پوچھنے والا کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ یہ ایک خالص دینی سوال ہے دین اور علم دین سے دلچسپی رکھنے والے میرے صحیح مخاطب ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ (عقاید یا کلام کی کسی فرقہ واری کتاب میں نہیں) بلکہ قرآن ہی میں جیسا کہ سب جانتے ہیں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ

"نہ تمہاری آرزوؤں، اور نہ کتاب والوں کی آرزوؤں کا تابع بلکہ قدرت کا فیصلہ ہے کہ جو بھی کرے گا کوئی برائی، بدلہ اس کا، اسے دیا جائے گا"

یعنی سورۃ النساء کی آیت لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ کا مفاد اور حاصل ہے۔

اسی کے بالمقابل قرآن ہی میں یہ بھی ہے کہ

"اور جو کرے کوئی برائی، یا اپنے آپ پر ظلم کرے، پھر بخشش اور مغفرت چاہے اللہ سے، تو پائے گا اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان"

یعنی اسی سورۃ النساء کی دوسری آیت وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کا لفظی ترجمہ ہے، اور ایسی آیتیں جن کا مفاد بھی یہی ہو جو اس

یت کا ہے قرآن کے متعدد مقامات پر جیسا کہ قرآن پڑھنے والے جانتے ہیں پائی جاتی ہیں بلکہ اسی سورہ میں وہ مشہور آیت لکھی ہے جس میں اس کلی قانون کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ

"قطعاً اللہ نہ بخشے گا، اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک اور ساجھی ٹھیرایا جائے اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے گا"

یعنی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ کا جو معنی اور مطلب ہے یہ دو باتیں ہوئیں۔ اب تیسری بات قرآن ہی کی یہ بھی ہے کہ

"میں نے دھمکایا تم کو آگ سے جو بھڑک رہی ہے، نہ گھسے گا اس آگ میں مگر جو سب سے زیادہ بدبخت ہے وہی جس نے جھٹلایا، اور پیٹھ پھیری"

یعنی سورۃ اللیل کی آیت فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا یَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى کے واضح الفاظ سے صراحۃً جو بات سمجھ میں آتی ہے اب اسی کے ساتھ تشریحاً بخاری کی ان دونوں حدیثوں کو بھی ملا لیجئے پہلی حدیث حضرت معاذ بن جبل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی جس میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے ایسا کوئی آدمی جو گواہی دے اس بات کی کہ نہیں ہے اِلٰہ (معبود) مگر اللہ ہی، اور یہ کہ قطعاً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، دل کی سچائی کے ساتھ جس نے ان دونوں باتوں کی گواہی دی اور اقرار کیا، تو نہیں ہے (اس کے لئے کوئی صورت بجز اس بات کے) کہ حرام کردے اللہ اس پر آگ کو یعنی جہنم کو"

یعنی مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ

اللہ علی النار (متفق علیہ دیکھئے مشکوۃ مولوی محمد ادریس کاندھلوی والی ص۴۹ ج ۱) اور دوسری روایت عتبان بن مالک صحابی کی جس میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطعاً اللہ نے آگ یعنی (جہنم) پر حرام کر دیا اس کو جس نے لا الہ الا اللہ کہا اللہ کے چہرے کو اس کے ذریعہ تلاش کرتا ہے"

یعنی اِنَّ اللہ حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذلک وجہ اللہ (رواہ جمع الفوائد ص۴)

ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مفہوم بھی وہی ہے جو سورہ واللیل والی آیت کا مفاد ہے یعنی جہنم میں صرف وہی جائیں گے جنھوں نے اللہ کے رسول کے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلا دیا ہو، اور جھٹلا کر پیغمبر سے رشتہ توڑ لیا ہو بالفاظ دیگر تکذیب و تولی کا مجرم بن کر جس نے اپنے آپ کو شقاوت اور بدبختی کی آخری منزل تک پہنچا دیا ہو، یعنی الاشقی الذی کذب و تولی کا جو مصداق بن گیا ہو، ان صفات سے موصوف ہونے کے بعد چونکہ کوئی مسلمان باقی نہیں رہ سکتا، اس لئے آیت کا واضح اور کھلا ہوا مطلب یہی ہوا کہ جہنم میں وہی جائے گا اور اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، جو مسلمان نہیں ہے یہی حاصل اس آیت کا بھی ہے اور اسی مضمون کی تائید و تشریح بخاری شریف کی ان دونوں صحیح حدیثوں سے بھی ہو رہی ہے۔

پوچھا اب بھی جاتا ہے کہ مذکورہ بالا تین قسم کی آیتوں کی بنیاد پر کیا یہ عقیدہ قرآنی عقیدہ نہ ہوگا کہ جہنم کا عذاب صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مسلمان نہیں ہیں خواہ وہ صراحۃً منکر و مکذب ہوں، یا منافق[1] ہوں، اور کسی قسم کا مسلمان ہو، جہنم کی آگ اس کے لئے

[1] منافق کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دل سے تو بالکلیہ منکر و مکذب ہو اور زبان سے اسلام (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

حرام، اور جہنم کی آگ کے لئے وہ حرام ہے، گویا نہ جہنم ہی مسلمان کے لئے ہے اور نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا اقرار کرتا ہو، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت تو منافق طبقہ کی ایک قسم کی ہے یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جن کی مثال اس آگ سلگانے والے سے قرآن میں دی گئی ہے جو اپنی شعلہ زبانیوں سے لوگوں کو اطمینان دلاتا رہتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان پر ہے وہی دل میں بھی ہے لوگ جب مطمئن ہو جاتے ہیں تو خود اس روشنی سے وہ قطعاً محروم ہو جاتا ہے جسے زبان کی بتی جلا کر دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے پھیلا رہا تھا، کیونکہ اس روشنی کا اس کے باطن سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا یوں تاریکیوں کے احاطہ میں خود گھر جاتا ہے اور ایسی حالت میں گرفتار رہتا ہے کہ نہ دوسروں کو اپنے باطن کی واقعی کیفیت سے مطلع کر سکتا ہے کہ اس کے زبانی دعوے کے خلاف یہ بات پڑے گی اس لئے بکم یعنی اس قسم کے لوگ گونگے ہو جاتے ہیں اور تاریکیوں میں گھر جانے کی وجہ سے باہر سے بھی نہ اُن کی آنکھیں کچھ لے سکتی ہیں اور نہ اُن کے کان۔ اسی لئے صم (بہرے) عمی (اندھے) وہ ہو جاتے ہیں یہ انسانی نفسیات بھی ایسی نا پاک کیفیت ہے کہ واقعی روشنی کی طرف اس قسم کے زبان درازوں کے لئے واپسی کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا فہم لا یرجعون، مگر دوسری تمثیل اسی طبقہ کی برستی ہوئی پھواروں یعنی کصیب من السماء سے دی گئی ہے جن میں ظلمات اور تاریکیاں تو زیادہ ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی رعد کی گرج سے ان کے کان اور برق کی چمک سے ان کی باطنی بینائی متاثر بھی ہوتی رہتی ہے یہ فکری نفاق کی نفسیاتی کیفیت کی تصویر ہے وساوس و شکوک کی پھواروں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی حق کی گرج اور صداقت کی چمک بھی ان کے ساتھ کوند جاتی ہے مگر ان سے زیادہ دیر تک قصداً مستفید ہونا نہیں چاہتے کہ ان کی غیر دینی ناجائز زندگی پر اندیشہ ہوتا ہے "مذہب ناصحی" پہ استفادہ نہ ثابت ہو اسی لئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر فسق و فجور کی زندگی کی بدعت سے بچانا چاہتے ہیں الغرض ان ہی نفسیاتی کیفیتوں میں الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں، جب کچھ روشنی بجلی فراہم کرنے کے لئے چل پڑے پھر تاریکی کا ہوا اور جہاں تھے وہیں ٹھٹک کر رہ گئے، بہرحال نفاق کی پہلی قسم کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو فکری و عقلی قوت سے کام نہیں لیتے اور دنیاوی کاروبار میں ہوشیار رہتے ہیں دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے منہ سے کچھ باتیں بنا لیا کرتے ہیں ان کا باطن قطعاً سیاہ ہوتا ہے جس میں ایمان کی کوئی کرن نہیں ہوتی لیکن دوسری قسم ارباب فکر و نظر کے طبقہ منافقین کی ہے بظاہر ان کو کبھی اپنی فکری دقتوں کے بعد بھی صداقت و ایمان کی کچھ شعاعیں ہاتھ آتی ہیں لیکن ان سے وہ مستفید نہیں ہوتے وسلامیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مسلمان ہی جہنم کے ستے ہے بتایا جائے کہ اس عقیدے کو غیر قرآنی عقیدہ قرار دینے کی کیا صورت ہے خصوصاً جب بخاری کی دو، دو صحیح حدیثوں کا صریح و واضح مفاد بھی یہی ہے جو سورہ واللیل کی آیت سے سمجھا جا رہا ہے جب تک کہ خدائی الفاظ کے ساتھ بیرونی آمیزش کو شریک کرنے کی جرأت نہ کی جائے اس وقت تک قرآن کی اس آیت کا ترجمہ و مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جس کی تائید اور تشریح ان دونوں حدیثوں کے الفاظ سے ہو رہی ہے۔

اب اس کے بعد پہلی آیت جو نقل کی گئی ہے اس کا مفہوم سامنے آتا ہے یعنی ہر برائی کا بدلہ برائی کرنے والوں کو دیا جائے گا مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ کا یہی حاصل ہے اسی کے ساتھ دوسرے مدد والی آیتیں یعنی قرآن ہی کے قانون عفو و مغفرت کو بھی رکھ لیا جائے ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سمجھا اور سمجھایا جائے کہ عذاب کی بدترین قسم اور سزا کی شدید انتہائی شکل تو وہی ہے جسے بھگتنے والے جہنم میں بھگتیں گے جو مسلمان ہے وہ اس عذاب سے تو بچ جائے گا مگر عذاب کی اور بھی تو قسمیں ہیں، یعنی جہنم میں داخل ہونے سے پہلے جیسے (پل صراط) میدان حشر کی فوقانی و تحتانی ظاہری و باطنی پریشانیاں، نیز اس سے پہلے برزخی عذاب کا بھی ایک مستقل سلسلہ ہے یہ تو مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہونے سے پہلے سزائیں

(بقیہ حاشیہ بسلسلۂ صفحہ گذشتہ) وادہام کے کدکوب سے ان کے قلوب چور چور ہوتے ہیں گو بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شریک رہتے ہیں حدیثوں میں جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ مقدار خردل یا ذرہ برابر بھی ایمان جن میں ہوگا غالباً فکری نفاق کے ان مریضوں کا یہ حال ہوگا ان کو جہنم میں جانے اور سزا بھگت لینے کے بعد پھر ان کو نئی زندگی مقدار خردل والے ایمان کی بدولت بخشی جائے گی لیکن یہ مومن و مسلم نہیں بلکہ منافق طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں ۱۲

کی مختلف غیبی شکلیں ہیں جو آئندہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد پیش آئیں گی اور ان کے سوا موت سے پہلے خود اسی دنیا میں مصائب و آلام کی گوناگوں شکلوں کا حصہ بھی ہے ظاہر ہے کہ جہنم کے عذاب سے بچ جانے کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ سزاؤں کی دوسری شکلیں جو موت کے بعد یا موت سے پہلے اسی زندگی میں مجرموں کو پکڑتی ہیں ان سے بھی مسلمان ہو جانے سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے مسلمان ہونے کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ جہنم کی آگ اس پر حرام ہو جائے بلکہ جب قرآن کا یہ اعلان ہے کہ ہر سوء اور برائی کا بدلا اس کے مرتکب کو چکھایا جائے گا اس لئے یقین کرنا چاہئے کہ جہنم کی سزا سے بچ جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے سزا کی بھی شکلیں باقی رہ جاتی ہیں جو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے بنی آدم کے سامنے آئیں گی چونکہ قرآن ہی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ برائی کرنے والے اور اپنے آپ پر ظلم توڑنے والے اللہ تعالیٰ سے اگر مغفرت چاہیں گے، تو اللہ کو بہت بڑا بخشنے والا اور بہت بڑا مہربان پائیں گے، اس لئے اگر یہ مانا جائے کہ حشر یا میدان حشر یا عذاب قبر وغیرہ کی سزاؤں پر مغفرت کے اسی قانون کا یہ عمل ہوگا کہ بجائے ان کے ان ساری سزاؤں کو دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی شکل میں قدرت بدل دیتی ہے تو قانون عفو و مغفرت کا اقتضا بھی پورا ہو جاتا ہے اور مجازاۃ و مکافات کا وہ قانون عام جس کا اعلان من یعمل سوءً یجز بہ میں کیا گیا ہے اس کی تکمیل کی راہ بھی نکل آتی ہے، بلکہ دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی سارے مصائب و آلام دکھ پہنچانے کے لحاظ سے چونکہ برابر نہیں ہیں اس لئے مغفرت طلبی میں زور لگانے والے جتنا زیادہ زور لگائیں گے، سزاؤں کے قالب بھی بدلتے چلے جائیں گے، یعنی نسبتاً

کم تکلیف پہنچانے والی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر قانون مجازاۃ کا اقتضا ان کے لئے پورا ہوگا اور سچ پوچھئے تو صحاح کی کتابوں میں اسی قرآنی آیت یعنی من یعمل سوء یجز بہ جس میں ہر جرم کو مستوجب سزا قرار دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ مجازاۃ کے قانون سے کسی مجرم کا کوئی جرم مستثنیٰ نہیں ہے، اسی کے متعلق بکثرت ایسی روایتیں جو مروی ہیں کسی میں ہے کہ

"جب مذکورہ بالا آیت (من یعمل سوء یجز بہ) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت گراں ثابت ہوئی، اور حد سے زیادہ ان کو تشویش میں اس آیت نے ڈال دیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اس احساس کو جب ظاہر کیا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیدھے بنو اور (نیکی) سے قریب ہونے کی کوشش میں لگے رہو اور یقین کرو، کہ مسلمان پر جب کوئی مصیبت (دنیا میں آتی ہے) حتیٰ کہ کانٹا بھی جو کوئی چبھ جاتا ہے، یا کوئی ٹھوکر لگتی ہے، یہ کفارہ تمہارے گناہوں کا بن جاتی ہے۔"

تفسیر در منثور میں اس روایت کو درج کرتے ہوئے صحیح مسلم کا بھی صحاح کی دوسری کتابوں مثلاً ترمذی و نسائی وغیرہ کے ساتھ حوالہ دیا ہے اسی کے ساتھ بخاری و مسلم کی وہ روایت بھی درج کی ہے جس میں ہے کہ

"کسی مومن کو کوئی دکھ درد، بیماری، غم والم، یا کسی قسم کا کوئی تردد ہوتا ہے اس کے ذریعہ بھی اس کے گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔"

یعنی وہی سزا جو کسی اور عالم میں ہونے والی ہوتی ہے وہ اسی دنیا میں ان مصائب

کی شکل میں پوری ہو جاتی ہے اس باب میں کس حد تک مغفرت کا قانون سزاؤں کی تخفیف میں اثرانداز ہوتا ہے اس کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے جن میں ہے کہ اپنی چیز رکھ کر آدمی بھول جاتا ہے اور اس کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے فکر کی تکلیف میں اسے مبتلا ہونا پڑتا ہے یہ بھی اسی مجازاتی قانون کی تکمیل ہی کی ایک تخفیفی شکل ہوتی ہے یہ بھی ان ہی روایتوں میں ہے کہ کسی چیونٹی کے کاٹ لینے سے یا دل کی دھڑکن سے پسینہ جو آجاتا ہے اس میں بھی مجازاة کا قانون اپنا حق پورا کرتا ہے، ابوہریرہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیتے ہوتے درمنثور میں نقل کیا ہے کہ

"مسلمان مرد یا عورت دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر بالآخر صفائی کے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ماعلیہ من خطیئة (گناہ کا کوئی دھبہ ان میں باقی نہیں رہتا)

بعض روایتوں میں "بے داغ چاندی" اور "سونے کے مصفا ڈلے" سے اس شخص کو تشبیہ دی گئی ہے، جو مجازاتی قانون کے عمل کو دنیاوی مصائب کی شکل میں بھگت کر پاک وصاف ہو جاتا ہے،

بہرحال جہنم سے اس شخص کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا جو نفاقاً نہیں بلکہ واقعةً دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے جہنم سے وہ بیگانہ اور جہنم اس سے بیگانہ ہو جاتا ہے اگر یہ مانا جائے تو سورہ واللیل والی آیت اور معاذ بن جبل وعتبان بن مالک والی صحیح حدیثوں کا کیا مطلب سمجھا جائے اور ان نصوص سے آخر کیا وجہ ہوگی کہ اس عقیدے کے پیدا کرنے سے لوگوں کو روکا جائے خصوصاً ابتدار اسلام میں بھی صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین میں سے محمد بن سیرین کے متعلق حافظ ابونعیم نے حلیة الاولیا میں یہ

روایت بھی نقل کی ہے کہ سورہ واللیل کی مذکورہ بالا آیت کا مطلب وہ بھی بیان کرتے تھے کہ مسلمان خواہ عملاً کسی حال میں ہو جہنم کی سزا سے بری ہو جاتا ہے۔ اور آخر زمانے میں ہندوستان کے مشہور مجدد اسلام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مکتوب ۲۶۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ

اہل کبائر کہ گناہاں ایشاں بمغفرت	کبیرہ گناہوں کے مجرموں کے گناہ
نہ آمدہ اند بہ توبہ یا شفاعت	توبہ کی وجہ سے یا شفاعت یا حق تعالیٰ
بالمجرد عفو و احسان و نیز اں	کی عام مہربانی و عفو و کرم کی وجہ سے
کبائر را بآلام و محن دنیوی یا شدائد	نہ بخشے گئے، نیز ان کبیرہ گناہوں کا
سکرات موت مکفر نہ ساختہ امید	ازالہ دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں
کہ در عذاب آنہا جمعے را بعذاب	سے، یا سکرات موت کی تکلیفوں
قبر کفایت کنند و جمعے دیگر را	سے نہ ہوا ہو تو اس کی توقع ہے کہ
باوجود مہلت قبر با اہوال قیامت	بعضوں کے لئے عذاب قبر کی سزا کافی

؎ مسلمان ہونے کے ساتھ ہی جہنم سے انسانیت کا رشتہ قطعی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اس قرآنی عقیدے کے ساتھ خواہ مخواہ اہل کتاب کے ان امانی اور آرزوؤں سے شک میں مبتلا نہ ہونا چاہیے جن کا قرآن ہی میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے یعنی یہود کہتے تھے کہ صرف چند گنتے گنائے دن کے لئے ہمیں جہنم چھوئے گی (لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ) یا اہل کتاب کہتے تھے کہ جنت یہود و نصرانی ہوئے بغیر کوئی نہیں جا سکتا (لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصاریٰ) کہ ان دعووں کی بنیاد عقیدے اور عمل پر نہیں بلکہ یہود کی نسلی برتری اور اسرائیل کی اولاد ہونے پر مبنی تھی اسی طرح نصاریٰ کفارہ کے مغالطے میں مبتلا دیکھائی دیتے تھے ان کو باور کرایا گیا کہ خدا کا بیٹا عیسائیوں کے جرائم کی سزا صلیب پر چڑھ کر پا چکا ہے پھر ان ہی جرائم کی دوبارہ سزا عیسائیوں کو کیسے مل سکتی ہے ۱۲ "والقصۃ بطولھا" ابن سیرین کے قول کو حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۶۳ مطبوعہ المصر میں ملاحظہ فرمایئے ۱۲

وشدائد آں روز اکتفا فرمایند ہوگی اور بعضوں کے لئے عذاب قبر کے ساتھ قیامت کے دن کے مصائب اور سختیاں کافی ہوجائیں گی۔

سزا یا مجازاۃ کی ان مختلف شکلوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد آخر میں حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ

"از گناہاں باقی نہ گذارند کہ محتاج بعذاب نار گردند" ص ۳۲۶ ج ۱

جس کا حاصل یہی ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد خواہ کسی قسم کے کبیرہ اور بڑے بڑے اہم گناہوں میں کوئی مبتلا ہو، پھر بھی سزا پانے کے "عذاب نار" یعنی جہنم کی ضرورت اس مسلمان کے لئے باقی نہ رہے گی، بلکہ جہنم سے پہلے سزا کی مختلف منزلوں میں اپنے کئے کے خمیازوں کو وہ بھگت لے گا۔

محدث دہلوی حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں ایک مستقل باب قائم فرما کر اس پر بحث کی ہے کہ دنیا میں بھی اعمال کے نتائج کا ظہور کن کن شکلوں میں ہوتا ہے، شاہ صاحب نے اس قسم کی قرآنی آیتوں کو نقل کرکے جن میں ارشاد ہوا ہے کہ

"جو مصیبت بھی تم پر ٹوٹی، یہ خود تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہوا"

یعنی ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم وغیرہ مشہور آیتوں میں اسی مضمون کو جو بیان کیا گیا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے من یعمل سوء یجز بہ (جس نے جو برائی بھی کی اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا) کو پیش کرکے ان ہی حدیثوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا تفصیلی ذکر گذر چکا آخر میں فرماتے ہیں کہ دنیاوی مصائب کے

قالب میں ان سزاؤں کو بھگت لینے کے بعد بندہ اپنے گناہوں سے اتنا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے کثافتوں سے صاف وپاک ہو کر سونا بھٹی سے باہر نکل آتا ہے شاہ صاحب کے عربی الفاظ یہ ہیں کہ "ان العبد لیخرج من ذنوبہ کما یخرج التبر الاحمر من الکیر" دنیاوی مصائب تو یہ کام کرتے رہتے ہیں باقی اسی کے ساتھ اگر توبہ و استغفار نماز و روزہ وغیرہ جیسے اعمال میں بھی اگر وہ مشغول رہا یعنی حسن اعمال سے گناہوں کے زہر کا ازالہ ہوتا ہے اور خبر دی گئی ہے کہ گناہوں کے کفارہ کا کام وہ دیتے ہیں ان کا اثر شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ "رفع البلاء وتخفیفہ" میں ان سے مدد ملتی ہے بالفاظ دیگر یہی مطلب ہوا کہ رفع بلا کے سوا سزا کی سخت شکلوں کو نسبتاً آسان اور کم تکلیف دہ سزاؤں کے قالب میں بھی اسی قسم کے اعمال بدلتے چلے جاتے ہیں دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۵ ج ۱ مطبوعہ مصر باب الجزاء علی الاعمال فی الدنیا

ایسی صورت میں بدکرداریوں کے نتائج ظاہر ہیں کہ جہنم سے ہٹ کر حسبر و حشر و قبر میں بھی اگر کرنے والوں کے سامنے نہ آئے، تو من یعمل سوءً یجز بہ کے قانون عام کے تحت مسلمانوں کو اسی دنیاوی زندگی کے مصائب و آلام ہی کی شکل میں اپنے اعمال کے خمیازوں کو بھگتنا پڑے گا، شاہ ولی اللہ نور اللہ ضریحہ نے یہ لکھ کر کہ امراض اور غم و حزن خوف وغیرہ کے قالب میں ان سزاؤں کا ظہور کبھی ہوتا ہے اور کبھی مسلمانوں کے مال و آل و اولاد کی تباہی کے رنگ میں کبھی تو انسانوں کو، یا فرشتوں کو یا جانوروں کو الہام ہوتا ہے"

یعنی "تارۃ فی اہلہ ومالہ وتارۃ بان الھم الناس والملائکۃ والبہائم" اور برے برتاؤ کے ساتھ مسلمانوں کے آگے وہ نمایاں ہوتے ہیں، شاہ صاحب نے مشہور حدیث نبوی

جس میں آیا ہے کہ

"مومن (مسلمان) کی مثال کھیتوں کے ان پودوں جیسی ہے جنھیں ہوائیں کبھی ادھر گراتی ہیں اور کبھی ادھر گراتی ہیں اور کبھی ان کو سیدھا کر کے کھڑا کر دیتی ہیں، تا آنکہ دنیا میں قیام کی جو مقررہ مدت ہے وہ پوری ہو جاتی ہے برخلاف اس کے جو منافق اور مومن نہیں ہے اس کی مثال صنوبر کے اس اکڑے ہوئے درخت کے مانند ہے جو ہواؤں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا، تا آنکہ ایک دفعہ اکھڑ کر زمین سے الگ ہو جاتا ہے۔"

یعنی مثل المومن کمثل الخامۃ من الزرع تفیئھا الریاح تطرحھا مرۃ وتعدلھا اخری حتی یاتیہ اجلہ، ومثل المنافق کمثل الارزۃ المجذیۃ التی لا تصیبھا شئی حتی یکون انجعافھا مرۃ واحدۃ" صحاح کی اسی حدیث سے مسلمانوں کی مجازاتی زندگی کی تشریح کی ہے۔

مطلب یہی ہوا کہ جہنم سے اپنا رشتہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر توڑنے کا موقعہ آدم کی اولاد میں جن لوگوں کو میسر نہ آسکا، ان کے لئے تو کھلا میدان ہے مرنے سے پہلے بھی، مرنے کے بعد بھی، قبر میں بھی حشر میں بھی جسر پر بھی اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر بھی کافی گنجائش اپنے کرتوتوں کے خمیازوں کے بھگتنے کے لئے موجود ہے، یہاں نہیں تو وہاں، وہاں نہیں تو آگے اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر مجازاۃ کے قانون کے نتائج کو اپنے سامنے وہ پائیں گے لیکن مومن کے لئے تو جہنمی سزاؤں کا کوئی موقعہ ہی باقی نہیں رہتا پھر برائیوں کے ساتھ بھلائیوں کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی طرح وہ جاری ہی رکھتا ہے توبہ کرتا ہے استغفار سے کام لیتا ہے، ان نمازوں کو بھی

پڑھتا ہے جن کی خاصیت بتائی گئی ہے کہ ایک وقت سے دوسرے وقت تک کے وقفہ میں جو گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں ان سے نمازی کو پاک کرتی رہتی ہے پھر وضو کے آثار و نتائج بھی یہی بتاتے گئے ہیں کہ پانی سے صرف بیرونی آلودگیوں ہی کی صفائی نہیں ہوتی بلکہ قرب حق کے باطنی احساس کے ساتھ چونکہ اعضاء کو وضو کرنے والا دھوتا ہے اس لئے باطنی اثر بھی وضو کا پڑتا ہے اور ہر عضو جو دھویا جاتا ہے اس عضو کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ گھر سے نماز کی نیت کر کے جو نکلتا ہے تو ہر قدم پر بتایا گیا ہے کہ ایک ایک گناہ کو مٹاتا چلا جاتا ہے یہ اور ان کے سوا اعمال و اشغال کے دوسرے سلسلے ایسے ہیں جن سے گناہ کی روح پژمردہ ہوتی چلی جاتی ہے ایسی صورت میں مجازاۃ کا قانون مومن کے لئے صرف دنیاوی آلام و مصائب کے قالبوں میں منحصر ہو کر رہ جائے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اور اسی سے اس اچنبے کو بھی لوگ اپنے دلوں سے چاہیں تو دور کر سکتے ہیں، جو مسلمانوں کی ماضی و حال کی تاریخوں میں مصائب و آلام کا ہجوم نظر آتا ہے پچاس سال بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر گذرنے نہ پائے تھے کہ واقعہ حرہ میں پیغمبر کے شہر میں قتل عام کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ تین دن تک مدینہ کے رہنے والوں کے مال کے ساتھ جان کے ساتھ ناموس کے ساتھ وہ سب کچھ کیا گیا جو درندہ یا جنگل کے جانور بن کر آدم کی اولاد کبھی کبھی کر گذرتی ہے بلکہ اس سے پہلے بھی جمل و صفین و کربلا میں کیا کچھ نہیں دیکھا گیا، پھر ان مصائب کا سلسلہ کیا کسی صدی میں کبھی ٹوٹا ہے لوگ گھبراتے ہیں کہ قدرت کے مسلمانوں کے ساتھ اس عجیب و غریب سلوک کی کیا توجیہ کی جائے ان کے شاعروں کو ہمزد کی خدائی کا دھوکہ ان کی بندگی پر بھی کبھی کبھی اس صورت

حال کو دیکھ کر لگا، سوال یہی ہے کہ گزشتہ بالا قرآنی حقائق کا صحیح حدیثوں اور حکماء اسلام کے افکار کی روشنی میں اگر مطالعہ کیا جائے۔ تو مسلمانوں کے دنیوی مصائب کی توجیہ میں کیا کوئی دشواری باقی رہتی ہے، کیسی عجیب بات ہے کہ رحمتوں کے مظاہر میں جو نہیں سوچتے ہیں ان کو زحمتوں کا زور نظر آتا ہے۔ کاش! علمائے امت مسائل کے سوال پر بجائے توبیخ و زجر کے ذکر و مہر سے کام لیں۔ اور دنیا کی ایک قوم جو دوسروں کی نگاہوں میں اضحوکۃ الامم بنی ہوئی ہے اور اپنے حال سے وہ خود مطمئن نہیں ہے، زندگی کا راز اس پر واضح کیا جاتا۔ عارف روم نے موزے کے تمثیلی قصّے کا ذکر کر کے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عقاب موزے کو لے اُڑا لیکن زمین پر اسی موزے کو اوپر جاکر جب چھوڑا تو اس سے ایک کالا سانپ نکل پڑا، تب کہا گیا کہ

موزہ بر بودی دمن در ہم شدم   تو غمم بردی دمن در ہم شدم

اور آخر میں اسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

کان بلا دفع بلا ہائے بزرگ   واں زیاں منع زیانہائے سترگ

لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب و آلام میں تخفیف و تحویل کی کارفرمائیوں اور ان کارفرمائیوں میں قدرت کے تکوینی مراحم کی قیمت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی حدود کے حوادث و واقعات کے لئے عین الیقین بنالیا ہے جہنم میں جسر پر، حشر میں، قبر میں جن مہیب و جاں گسل مناظر سے الناس ینت دو چار ہوں گی عین الیقین کی اسی معصوم اور مقدس آنکھ سے آج بھی ان کا مطالعہ کر رہے ہیں باقی اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی وجہ سے اور مسلمانوں کی جماعت

لہ غالب مرحوم کا مشہور شعر ہے کیا وہ نمرود کی خدائی تھی + بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

میں شریک ہونے کے مجرم بن کر دنیا بھر کی مصیبتوں کو بھی جھیلتے چلا جانا، اور خود اسلام
اور اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بھی اشتباہی ذہنیت میں شعوری
یا غیر شعوری طور پر دفن کئے رہنا جن دین باختوں کی یہ حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ دین
ہی نہیں بلکہ وہ تو اپنی عقل کے ساتھ ہی کھیل رہے ہیں، وَمَا یخدعون الا انفسھم
وما یشعرون اپنے اس استفہامی معروضہ کو ختم کرتے ہوئے آخر میں چاہئے کہ اب
تک جو کچھ کہا گیا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جہنم سے بے تعلق قطعاً بے تعلق ہو جانے
کے بعد مسلمانوں کو حق تعالیٰ کے فضل و کرم یا اپنے محبوب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کی شفاعت اور دعاؤں کی ضرورت باقی نہیں رہتی واقعہ یہ ہے کہ جہنم سے پہلے سزاؤں
کے مختلف منازل اور مختلف قالبوں میں ان کے ظہور کی خبریں جو دی گئی ہیں جیسے
مکفرات یعنی اعمالِ صالحہ توبہ و استغفار، صلوٰۃ و صیام، حج و زکوٰۃ وغیرہ ان سزاؤں
کا قالب بھی اور ان کا محل و مقام بھی تخفیفاً بدلتا چلا جاتا ہے، جسر سے ہٹ کر حشر میں
حشر سے ہٹ کر قبر میں، قبر سے ہٹ کر خود اسی حیوٰۃ الدنیا اور پست زندگی میں
مجازاۃ کا قانون اپنے فدرتی اقتضار کو پورا کرتا ہے اور دنیا میں بھی بڑی مصیبتوں کو
نسبتاً ہلکی مصیبتوں کی شکل میں بدل دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جو تردد جوتیوں کے تسمے کے
ٹوٹنے سے یا کسی معمولی چیز کے تل پٹ ہو جانے یا رل مل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے یہاں
تک تحویل و تخفیف و تحویل کا قانون اُترتے ہوئے چلا آتا ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ خواب
میں بھی موحش اور پریشان کن حالات تک کی شکل مجازاۃ کا یہی قانون کبھی کبھی اختیار کر لیتا ہے گویا دنیا
میں اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنے والے بھگت لیتے ہیں اسی طرح سزاؤں کی ان ہی منزلوں میں حق تعالیٰ
کی رحمت بھی دستگیری فرماتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی اپنا کام کرتی ہے بلکہ جرائم
کے نتائج سے پاک ہونے کے بعد بہشتی زندگی سے استفادہ تو زیادہ تر فضل حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

م کی شفاعت کبریٰ کے ساتھ وابستہ ہے جس کی تفصیل کا بیان موقع نہیں ہے۔ جزاہ الرحمن وادخلہ اللہ اجرکم ۱۲